احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے

روزنامہ **الفضل** ربوہ

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴

فون: ۴۴۹

ایڈیٹر: نسیم سیفی

جلد ۷۷/۴۲ | سوموار۔ ۲۰۔ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ۔ ۱۶ نبوت ۱۳۷۱ ہش۔ ۱۶۔ نومبر ۱۹۹۲ء | نمبر ۲۶۳

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نفس انسانی ـــــ حمد باری کی راہ میں سب سے بڑی روک

"خدا تعالےٰ کی حمد کی راہ میں سب سے بڑی روک نفسِ انسانی کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور سب سے بڑا بُت ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ کیونکہ باہر کی دنیا کی حمد میں انسان غفلت کے نتیجے میں بسا اوقات خالق کی حمد سے غافل ہو جاتا ہے۔ لیکن نفس کا بُت ایسا ہے جو باقاعدہ شرک کے خیالات پیدا کرتے والا ہے"

(ارشاد حضرت امام جماعت احمدیہ (الرابع) ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

"آدمیوں کو چاہیئے کہ جب ایک مذہب کو سچّا سمجھ کر قبول کرے تو پھر اس پر استقامت دکھلائے۔ خدا تعالیٰ رازق ہے۔ وہ خود تمام سامان مہیّا کر دے گا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو پھر اس کو مَوت کی پرواہ نہیں رہتی اور نہ اُسے خدا تعالیٰ ضائع کرتا ہے۔ اندرونی تقویٰ اور طہارت کا خیال کرنا چاہیئے۔ جن لوگوں کے دل اور دماغ میں صرف دنیا ہی رہ جاتی ہے وہ کس کام کے آدمی ہیں۔ جو لوگ سچّے دل کے ساتھ خلوصِ نیّت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جُھکتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن کی دستگیری کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صـ ۲۴۹)

"اکثر طبیبوں کا یہ کام ہے کہ جب انہیں مایوسی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور بظاہر نظر کامیابی کی راہیں مسدود نظر آتی ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ خاص خاص شبہات پیدا ہو گئے تھے ورنہ یہ ہوتا تو ٹھیک تھا۔ یہ بات نہیں ہو سکی۔ وہ نہیں ہو سکی۔ ایسا کرنا چاہیئے تھا۔ ویسا کرنا چاہیئے تھا مگر یہ سب باتیں توحید کے برخلاف ہیں۔ اگر طبیب سے غلطی ہو گئی ہے یا کامیابی نہیں ہو سکی تو پھر کیا ہوُا، اس کا کام تو صرف ہمدردی کرنا تھا تقدیر کا مقابلہ نہ کرنا تھا۔

ایک طبیب کا ذکر ہے کہ وہ قبرستان کو جاتے وقت بُرقع پہن لیا کرتے تھے۔ کسی نے پُوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ طبیب نے جواب دیا کہ یہ سب آدمی میری دوائیوں سے ہی ہلاک ہوئے تھے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صـ ۲۵۹)

تمہیں اپنے رب کی رضا پر راضی رہنا پڑے گا

اقتباس از خطبہ فرمودہ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابعؒ

"کہتے ہیں کہ لاہور میں ایک نیم مجذوب سا دیوانہ سا آدمی اپنے خیالات میں مست پھرا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ آج بہت مزا آیا کسی نے پوچھا کس بات کا مزا آیا اس نے کہا مزا یہ ہے کہ میں نے اللہ کو خوب بتا دیا ہے اور صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے تیری دُنیا پسند نہیں آئی اور یہ کہہ کر دل ہی دل میں وہ جلیبی کوٹ رہا تھا کہ دیکھو میں نے خدا کو کیسی بات کہہ دی ہے کہ مجھے تیری دُنیا پسند نہیں آئی۔ دوسرے تیسرے دن اس کو دیکھا گیا کہ سر نیچے کیا ہوُا ہے۔ غم میں ڈوبا ہوُا ہے اور بے چارے کا بُرا حال ہے تو اسی پوچھنے والے نے پوچھا بابا! آپ دو چار دن پہلے تو بڑے خوش تھے۔ اب آپ کو کیا ہو گیا۔ اتنے اداس کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا جواب آگیا ہے۔ اور جواب یہ آیا ہے کہ پھر جس کی دُنیا پسند آئی ہے۔ وہاں چلے جاؤ۔ خدا کے سوا دُنیا کسی کی نہیں اس لئے پسند کرو یا ناپسند طوعاً و کرھاً تمہیں اپنے رب سے راضی رہنا پڑے گا اور لازماً تم اسی کے حضور پہنچو گے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے کہ تم کسی ملک کا بارڈر کراس کر کے اس سے بچ جاؤ۔ تم خواہ کسی رنگ کو اختیار کرو۔ کسی بھیس کو تبدیل کر لو۔ تم نے ہر حال میں بالآخر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔"

(از خطبہ فرمودہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۳ء)

سانحۂ ارتحال

مکرم مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب حال مقیم امریکہ (جنہوں نے مختلف ممالک میں بطور مربی سلسلہ خدمات سرانجام دی ہیں) کی اہلیہ محترمہ تسنیمہ بیگم صاحبہ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۹۲ء کو امریکہ میں وفات پا گئی ہیں ان کا جسدِ خاکی مورخہ ۱۶ نومبر بوقت صبح ۶ بجے بروز سوموار دارالضیافت ربوہ پہنچ رہا ہے

درخواست دُعا

○ مکرم ڈاکٹر عبدالغفور صاحب (سرگودھا) تقریباً دو سال کے عرصے سے جگر کے عارضے میں مبتلا ہیں۔ اب ان کی حالت تشویش ناک ہے اور لاہور میں زیرِ علاج ہیں۔

○ مکرم محمد ارشد طارق صاحب دارالنصر غربی ربوہ کا بیٹا عزیزم احمد نور طارق بعمر ۱۱ سال جو گذشتہ ۴/۵ سال سے پیٹ کی شدید تکلیف کی وجہ سے بیمار ہے اور اس سلسلے میں ۷/۸ اپریشن ہو چکے ہیں اب پھر مورخہ ۸ نومبر ۹۲ء بروز اتوار کافی بڑا اپریشن ہونے کی وجہ سے شدید علیل ہے اور میو ہسپتال لاہور میں داخل ہے۔ ڈاکٹر صاحبان کا کہنا ہے کہ یہ آخری اپریشن ہے۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ بچے کو مکمل صحت دے اور یہ آخری اپریشن ہو۔

احباب ان سب کے لئے دعا کریں۔

دستکاری نمائش

○ ۶ دسمبر ۹۲ء صبح ۹ بجے لجنہ ہال میں دستکاری نمائش منعقد کی جا رہی ہے۔ جس کا افتتاح حضرت چھوٹی آپا کریں گی۔
دو دن ۶۔۷ تاریخ تک نمائش رہیگی
سیکرٹری دستکاری نمائش ربوہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ الفضل ربوہ

پبلشر: آغا سیف اللہ، پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقامِ اشاعت: دارالنصر غربی۔ ربوہ

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

۱۶۔ نبوّت ۱۳۷۱ ہش ۱۶۔ نومبر ۱۹۹۲ء

صحت کے ایّام ــــ اور ہسپتال

قارئین نے فضل عمر ہسپتال ربوہ کی توسیع کی خوشکن خبر الفضل میں دلچسپی کے ساتھ پڑھی ہوگی۔ ہم چاہیں گے کہ اس رپورٹ کی پوری طرح تشہیر کی جائے۔ یہ بھی خدمت خلق ہی کا ایک کام ہوگا۔ کہ آپ اس خدمت خلق کے انتہائی بیش قیمت ادارے کے وجود اور اس کی کارکردگی اور اس کی افادیت سے اپنے ماحول کو آگاہ کریں۔ جس قدر مریضوں کی تعداد اس سے استفادہ کرے گی اتنا ہی ہسپتال والوں کو بھی ثواب ہوگا۔ اور ان دوستوں کو بھی جو اس کی افادیت سے دوستوں کو آگاہ کریں گے۔

آپ نے اس رپورٹ میں یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ ابھی اس ہسپتال کو بہت کچھ کرنا ہے۔ پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لئے۔ یا یوں کہئے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی امیدوں پر پورا اترنے اور حضور کے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھی ہسپتال کو بہت کچھ کرنا ہے۔ اور یہ سب کچھ ہم سب کی توجہ کا محتاج ہے۔ صدر انجمن احمدیہ بھی فراخدلانہ امداد سے بہت کچھ کر رہی ہے۔ لیکن یقیناً وہ بھی ناکافی ہے۔ ہم۔ اور آپ۔ اور سب مل کر اس بیڑہ کو اٹھائیں گے تو کام بنے گا۔ اور کام واقعی بنانا ہے۔ اس ہسپتال کو ایک مثالی ہسپتال بنانا ہے۔ ہمارے لئے قابلِ فخر۔ جماعت کے لئے بھی قابلِ فخر۔ کیا ہم اس خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں۔ کہ ہم سب تھوڑی تھوڑی رقم اکٹھی کر کے اعانت کے طور پر ہسپتال کو دیتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت سے رکھے لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ کون کب بیمار پڑ جائے گا۔ اور اسے اس ہسپتال کی ضرورت پڑ جائے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم صحت کے ایّام میں اس کی مدد کرتے رہیں۔ تاکہ بیماری کے دنوں میں اس کی کارکردگی کو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے جلد صحت کا باعث بنا دے۔ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ پر اپنی سلامتی نازل فرماتا رہے۔ نے بار بار اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابتلا آنے سے پہلے پہلے دعاؤں میں لگ جاؤ۔ اور دعاؤں میں لگے ہی رہو۔ یہ بھی ابتلا سے بچنے کا ایک طریق ہے۔ صحت کے ایّام میں ہسپتال کی مدد یقیناً اللہ تعالیٰ کے فضل کو اس طرح جذب کرے گی کہ خدانخواستہ جب کوئی بیمار ہوگا تو اسے صحیح ڈاکٹر اور صحیح نسخہ میسّر آ جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ اور ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور ملتی ہے اور کارگر ثابت ہوتی ہے۔

دِل و زبان پہ قابُو ہے ادّعائے ادب
نہ ہو، تو کچھ بھی نہیں ہے کسی کا نام ونسب
تجھے تو مَیں نے بہت ہی شریف سمجھا تھا
یہ میری سوچ تھی، افسوس، کسقدر بے ڈھب

ابوالاقبال

قندیل بن گیا ہے ہر نقشِ پا تمہارا
ظلمت سے چِھن گیا ہے گم گشتگی کا یارا

ہم نے نظر مِلائی تاروں کے جھُرمٹوں سے
اِک ماہِ نَو بنا ہے اُمّید کا سہارا

تم دُور ہو تو کیا ہے میری یہی دُعا ہے
بہتا رہے تمہارے لُطف وکرم کا دھارا

ہم جُستجو کے رسیا اُڑنا ہے کام اپنا
لیکن فضا کا شائد کوئی نہیں کنارا

مَیں نے خلوصِ دل سے جو کہہ سکا، کہا ہے
ہیں پھُول میری قسمت یا کوئی سنگِ خارا

الزام میں لپیٹی سوغات دے رہے ہو
لگتا ہے آپ کا یہ تحفہ بہت ہی پیارا

مجروح ہو گئے ہیں جذبات تیرے لیکن
باتوں سے تیری ہوگا دل میرا پارہ پارہ

مَیں آسماں کی جانب ہر لحظہ دیکھتا ہوں
ملتا ہے آسماں سے ہر ایک کو اشارہ

ٹُوٹے دلوں کی باتیں کیا پُوچھتے ہو مجھ سے
شبنم کی بُوند بھی ہے ان کیلئے شرارہ

بِیتے ہوئے دِنوں سے ناراض تو نہیں ہو
یہ تو نسیم اپنی فطرت کا ہے خسارہ

نسیم سیفی

لقاء کے مضمون کو سمجھ کر اپنے اندر شعور پیدا کرنا یہ لقاء کی طرف پہلا قدم ہے۔ پھر جیسا مَیں نے بیان کیا اپنے اندر ذاتی لطافتیں پیدا کریں تاکہ یہ دیدار جو ہے محض ایک غائب کا دیدار نہ ہو بلکہ ایک ایسے حاضر کا دیدار ہو جو دیکھ کر پھر آنکھوں سے آنکھیں ملائے ورنہ یہ سارے نظارے یوں ہونگے جیسے آپ کسی چیز کا حُسن دیکھ رہے ہوں لیکن علم نہیں کہ وہ کہاں ہے وہ نظر آنے کے باوجود بھی پردوں میں رہے گی۔

(ارشاد حضرت امام جماعت احمدیہ۔ الرابع ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فارسی منظوم کلام

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:

حکمتِ حق راز ہا دارد بسی
نکتۂ مستور کم فہمد کسی

خدائی حکمت میں بہت بھید ہوتے ہیں۔ ان باریک نکتوں کو لوگ کم سمجھتے ہیں

فہم را فیضانِ حق باید نخست
کار بی فیضاں نمی آید درست

فہم کے لئے پہلے خدا کا فیضان درکار ہے۔ بغیر فیض الٰہی کے کوئی کام ٹھیک نہیں بیٹھتا

گر نداری فیضِ رحماں را پناہ
ظلمتی در ہر قدم داری براہ

اگر تُو رحمٰن کے فیض کی پناہ نہیں رکھتا تو تیرے رستہ کے ہر قدم پر اندھیرا ہی اندھیرا ہے

فیضِ حق را با تضرّع کُن تلاش
ہاں مرَو چوں توسنی آہستہ باش

تُو گریہ وزاری کر کے خدا کا فیض تلاش کر۔ گھوڑے کی طرح بھاگا نہ چلا جا۔ آہستہ چل

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ان اشعار میں دو خاص اہم نکتے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان کے ارد گرد ایک دُنیا بکھری پڑی ہے جسے وہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق ان پر عمل کرتا ہے۔ لیکن اس بات کا بہت امکان ہے کہ وہ کسی بات کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ اگرچہ وہ تو اپنی ذات میں یہی سمجھے گا کہ اس نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے لیکن جب اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہیں نکلے گا تو پھر اسے اس بات کی سمجھ آئے گی کہ اس نے دراصل صحیح طور پر سمجھا ہی نہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی حکمت کے بہت زیادہ بھید ہوتے ہیں۔ اور ان باتوں کو بہت کم لوگ ہیں جو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ جو کچھ انسان سمجھتا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ یہ بعض اوقات ، سے معلوم نہیں ہوتا۔ اور وہ بعض مواقع پر بعض باتوں کے متعلق غلط سمجھ کر شکوے گلے کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ اس بات کا احساس رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں میں کئی راز ہوتے ہیں جنہیں انسان ان کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتا تو اسے دلی اطمینان حاصل رہے گا۔ حضور فرماتے ہیں کہ باتوں کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلی چیز جس کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فیضان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور اپنے کرم سے کسی کو صحیح فہم عطا کرے تو وہ آسانی سے باتوں کو سمجھ جاتا ہے اور اس کے اعمال کے نتیجے بھی خاطر خواہ ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا یہ فیض حاصل نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے فیض کی پناہ میں نہ ہو تو وہ دیکھے گا کہ اس کے رستہ میں ہر قدم پر اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ وہ جو کچھ سمجھے گا وہ غلط ہوگا اور غلط سمجھ کی وجہ سے جب وہ کسی بات پر عمل کرے گا تو اس کا نتیجہ خاطر خواہ نہیں ہوگا۔ اب یہ کہ اس فیض کو حاصل کس طرح کیا جائے۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ یہ فیض اللہ تعالیٰ سے مانگنے والی چیز ہے انسان کو چاہیئے کہ وہ دُعا کرے۔ اسی لئے یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ اے خدا تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ یہاں سیدھا راستہ سے مراد یہ ہے کہ ہر کام کو صحیح طریق پر کرنے کا فہم عطا کر اور ہر کام صرف اور صرف اسی طرح صحیح طریق پر کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فہم عطا کرے اور انسان کو توفیق عطا کرے۔ اور ایسا کرنے کے لئے اسے اس بات میں لگے رہنا چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے فیض مانگتا رہے۔ اگر وہ عجلت میں اس کا نتیجہ دیکھنا چاہے گا۔ تو یہ اس کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ حضور فرماتے ہیں کہ اس راہ میں گھوڑے کی طرح جلد جلد بھاگنے کی ضرورت نہیں بلکہ انسان آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے کہ اس کا نتیجہ دیکھتا رہے۔ اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کا فیض حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ فیض اسے مختلف امور کے سمجھنے میں مدد دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فیض کے جویا ہوں اور دُعا کے ذریعے اس سے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس کے حصول کے بعد ہمارے سارے راستے کھل جائیں اور آسان ہو جائیں اور ہمیں ہر بات صحیح طور پر نظر آنے لگے اور اس پر ہمارا عمل بھی مناسب ہو۔

چوہدری ظہور احمد

کشمیر کی کہانی

مولانا عبدالرحیم درد ایم۔ اے (سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی) قریباً دو سال تک نہایت شاندار خدمات سرانجام دینے کے بعد ۲ فروری ۱۹۳۲ء کو انگلستان تشریف لے گئے۔ یکم فروری کو لاہور (سیسل ہوٹل) میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ایک فوری اجلاس محترم صدر میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں سید محسن شاہ ایڈووکیٹ لاہور ملک برکت علی ایڈووکیٹ لاہور پروفیسر محمد علم الدین سالک۔ مولانا اسمٰعیل غزنوی مولانا غلام رسول مہر۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ شیخ نیاز علی ایڈووکیٹ۔ سید زین العابدین خان بہادر سید مقبول شاہ۔ مولانا جلال الدین شمس اور ڈاکٹر محمد عبدالحق شریک ہوئے۔ مولانا مہر کو عارضی طور پر قائم مقام سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ اور پہلے سیکرٹری کے متعلق یہ قرارداد منظور ہوئی۔

کشمیر کمیٹی کا یہ اجلاس مولانا عبدالرحیم درد ایم اے سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بے غرضانہ خدمات اور ان کی انتھک کوششوں کا شکریہ ادا کرتا ہے اور ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان خدمات کا اجرِ عظیم عطا کرے۔

اس اجلاس میں اور بھی نہایت اہم فیصلے ہوئے۔ مثلاً ایک متعصب شخص مسٹر مہتہ کو وزیر مقرر کئے جانے پر احتجاج مظلومین کشمیر کے ساتھ ہمدردی، مظلومین پونچھ کو مشورہ مسٹر لاتھر کا شکریہ اور مسٹر کالون کو دو ماہ کے اندر حالات بہتر بنانے کی تاکید سے متعلق قراردادیں منظور ہوئیں۔ انگریز وزیر اعظم مسٹر کالون کے متعلق اس اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں کہا گیا تھا۔

"آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی رائے ہے کہ کشمیر میں انگریز وزیر اعظم مقرر ہوئے کافی وقت گذر چکا ہے۔ وہ اس عرصہ میں بخوبی حالات کو دیکھ سکتے اور ان کی اصلاح کے لئے کوشش کر سکتے تھے لیکن کمیٹی افسوس سے اس امر کا اظہار کرنے پر مجبور ہے کہ انہوں نے کوئی خاص کام ایسا نہیں کیا جو مسلمانوں کو اس امر کی امید دلاتے کہ کسی قریب عرصہ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت ہو جائیگی۔ اب تک ملازمتوں کے دینے میں سابقہ غیر منصفانہ پالیسی کا سدباب نہیں ہوا۔ گلینسی کمیشن کی سفارشات بھی جنہیں مسلمان اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے ناکافی خیال کرتے ہیں معرض التواء میں ہیں اور ان پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ اسمبلی کے قیام کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ فرنچائز کمیٹی کی رپورٹ نہ شائع ہوئی۔ نہ اس کے متعلق کوئی کارروائی ہوئی ہے زمینداروں کو زمینوں کی ملکیت دینے جاگیرداروں کے مظالم سے زمینداروں کو بچانے۔ تقریر و انجمن کی آزادی کے سوالات و دیگر مطالبات اب تک پیچھے ڈالے جا رہے ہیں۔ ہندو ترقیات پا رہے ہیں اور مسلمان بدستور اپنے حقوق سے محروم ہو رہے ہیں بلکہ بعض افسران جنہوں نے دیانتداری سے اصلاح کی کوشش کی ہے ان پر حکومت نے عتاب کیا ہے۔ اسی طرح وہ حکام جن کے ظلم ثابت ہو چکے ہیں انہیں ان کے عہدوں سے باوجود وعدہ کے ہٹایا نہیں گیا۔ پس آل انڈیا کشمیر کمیٹی اس صورت حالات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر ریاست کی حکومت کو مسلم مطالبات پر جلد سے جلد عمل کرنے کا اور ہر قسم کی بے انصافی کے دور کرنے

باقی ص ۸ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

امۃ العزیز ادریس

محترم ڈاکٹر حافظ بدرالدین صاحب

۱۹۹۰ء کے شروع میں جب خاکسار امریکہ اپنے بیٹے کے پاس آئی تو جہاں رہائش اختیار کی وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور امریکہ کی بہت بڑی ائیر فورس بیس ہے۔ احمدی تو کیا یہاں کوئی پاکستانی بھی نہیں۔ ہر طرف گورے امریکن۔ کالے امریکن بھی بہت ہی کم۔ بڑا دل گھبرایا کہ کیسی جگہ ہے۔ ویسے بہت خوبصورت نظارے یہاں برفباری کے۔ لیکن یاد بہرحال وطن ہی آتا رہا۔ یہاں سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک اور شہر UTICA ہے وہ ذرا بڑا شہر ہے۔ اکثر شام کو میرا بیٹا سیر وغیرہ کے لئے ادھر لے جاتا۔ شہر کی سڑکوں پر سے گذرتے ہوئے میں دل میں سوچتی کہ کتنا خوبصورت شہر ہے۔ کتنی کاروں کی ریل پیل ہے۔ رونق ہے۔ لیکن کاش یہاں کوئی احمدی گھرانہ بھی ہوتا۔ خیر کچھ دنوں بعد پتہ چلا کہ روچسٹر میں جماعت ہے اور بیت الذکر بھی ہے وہاں رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ UTICA میں تین احمدی گھرانے ہیں۔ عید کی سی خوشی ہوئی۔ ایک احمدی بھائی عبدالحکیم ناصر صاحب ہیں جو ڈنٹل سرجن ہیں۔ انہوں نے مدعو کیا۔ وہاں گئے بہت ہی مخلص احمدیت کی فدائی فیملی ہے۔ ان کی بیگم بہت محبت سے ملیں۔ اور وہاں میں نے "الفضل" دیکھا۔ یقین کریں اتنی خوشی ہوئی جتنی عید کا چاند دیکھنے سے ہو سکتی ہے کہ دیکھو اس دنیا کے دوسری طرف ایک دور افتادہ شہر میں بھی حضرت بانی سلسلہ کی آواز پہنچ چکی ہے اور پھر ہمارا پیارا روزنامہ الفضل یہاں تک بھی باقاعدگی سے پہنچتا ہے۔ آپ کو میں بتا نہیں سکتی کہ مجھے اس دن الفضل دیکھ کر کس قدر خوشی ہوئی۔

اب الفضل باقاعدگی سے پڑھنے کو مل رہا ہے۔ سارا الفضل ہی بہت دلچسپ اور جامع ہے۔ لیکن مجھے خاص طور پر آپ کا قطعہ اچھا لگتا ہے جو ہر صفحہ کے ایڈیٹوریل کے نیچے لکھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور ایک لمبے عرصہ تک الفضل کی اتنی محبت سے اور پھر ادبی چٹکلوں کے ساتھ اتنے اچھے طریق پر خدمت کرنے کی توفیق دیتا رہے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم ناصر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ جن کے ذریعہ سے مجھے اس دور افتادہ جگہ میں الفضل مل جاتا ہے کے لئے بھی خاص طور پر دعا کی درخواست ہے کہ خدا تعالیٰ ان کے کاموں میں۔ زندگیوں میں برکت پر برکت ڈالے اور ہمیشہ اپنا خاص فضل ان کے شامل حال رکھے۔

لیں دیکھیں اتنی لمبی بات لکھدی ہے مختصر ہی لکھنا چاہیئے تھا۔ الفضل میں آخر اور لوگوں نے بھی تو لکھنا ہوتا ہے۔ اپنے والد صاحب ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد صاحب کے حالات زندگی کے متعلق میرا بہت دل چاہتا ہے کہ الفضل میں چھپ جائیں۔ شاید ان کی کوئی بات کسی پڑھنے والے کو پسند آجائے اور وہ بھی اسے اپنا لے۔ شاید قارئین کرام انہیں پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کی دعا اللہ سے مانگ لیں۔ اسی نیت سے یہ حالات ارسال کر رہی ہوں۔ لکھنا تو بہت مختصر ہی چاہا تھا۔ لیکن شاید کچھ لمبا ہی ہو گیا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمالیں۔ اگر الفضل میں گنجائش ہو تو ازراہِ نوازش اس مضمون کو اس میں جگہ دے دیں۔

میرے والد محترم ڈاکٹر حافظ بدرالدین احمد جنوری ۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء میں صریح شاکر ضلع فیروزپور میں پیدا ہوئے تھے۔ ۳۱ جنوری ۱۹۶۱ء کو ربوہ میں اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو گئے۔ ان کے والد خانصاحب فرزند علی نے انہیں سات آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد حضرت حکیم عمر دین صاحب رفیق حضرت بانی سلسلہ کے پاس ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھجوادیا تھا۔ حضرت حکیم عمر دین حکمت کرتے تھے اور سکول میں پڑھاتے بھی تھے۔ اس طرح میرے والد صاحب نے اپنے بچپن کے بہت سے سال اپنے دادا دادی کے پر شفقت سایہ میں گذارے۔ جو اپنے پوتے سے بہت پیار کرتے۔ لیکن میرے والد بتاتے تھے کہ میں پھر بھی اکثر سردیوں کی لمبی راتوں میں بستر میں گھس کر اپنی والدہ کو یاد کر کے رویا کرتا تھا کیونکہ بچہ کو اس عمر میں دادا دادی یا نانا نانی کے پیار کی بجائے اپنے والدین کے پیار اور تعلق کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے دادا نے حضرت بانی سلسلہ کی زندگی میں ہی احمدیت قبول کر لی تھی۔

اواخر ۱۹۰۷ء یا ۱۹۰۸ء کے ابتدا میں جب ان کے دادا پہلی بار حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زیارت اور دستی بیعت سے مشرف ہونے کے لئے قادیان گئے تو میرے والد کو دادی کے پاس ہی چھوڑ گئے اس کا بعد کی زندگی میں ہمیشہ میرے والد صاحب کو افسوس رہا۔ اور بڑی حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر دادا ابا اس وقت مجھے بھی اپنے ساتھ قادیان لے جاتے تو میں بھی حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زیارت سے فیض یاب ہو جاتا۔ میری والدہ جو حضرت بانی سلسلہ کے رفقاء میں شامل تھیں۔ انہیں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے کہ آپ کتنی خوش قسمت ہیں۔ جنہوں نے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو دیکھا اور ایک دفعہ بچپن میں جبکہ حضور باغ بہشتی مقبرہ میں چہل قدمی فرما رہے تھے۔ آہستگی سے پیچھے پیچھے آپ کے قدم مبارک کے نشانوں پر قدم رکھ رکھ کر چلتی رہیں۔

پرائمری کی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد والد صاحب شہر میں اپنے گھر آگئے۔ اور وہاں ہی ہائی سکول کی تعلیم مکمل کی میٹرک کا امتحان اعلیٰ اعزاز سے پاس کیا۔ اور اپنے ضلع بھر میں اول رہے۔ اسی سال حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کے ارشاد پر ان کی شادی میری والدہ سے ہو گئی۔ جن کے والدین حضرت بانی سلسلہ کی بیعت اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے افغانستان سے آئے تھے۔ شادی کے بعد والد صاحب نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ والد محترم نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کر لی۔ اس عرصہ میں ان کی صحت ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ بچپن سے ہی اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ ہوسٹل میں بھی اکثر سردی سے بخار ہو جاتا۔ یار دوست جسم دبانے لگتے جس سے پسینہ آتا اور بخار اتر جاتا۔ چند روز نہ گذرتے کہ بخار پھر آن دبوچتا۔ اس طرح تعلیمی حالت کافی متاثر ہوتی۔ لیکن پھر بھی بہت ذہین اور صف اول کے طلباء میں ان کا شمار ہوتا۔

ڈاکٹر بن جانے کے بعد انہوں نے حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کی خدمت میں اپنا وقف پیش کیا۔ اور درخواست کی حضور جس طرح بھی مجھ سے کام لینا چاہیں میں حاضر ہوں۔ ان کے والد کو تو چونکہ علم نہیں تھا کہ بیٹا حضور کی خدمت میں کیا لکھ رہا ہے۔ وہ اپنے طور پر حضور کو لکھتے کہ بچہ ڈاکٹر بن گیا ہے۔ اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کسی بہتر نوکری کا انتظام فرما دے۔ چنانچہ ایک بار جب میرے دادا حضور سے ملاقات کے لئے قادیان گئے تو حضور نے فرمایا کہ بیٹا تو اپنی زندگی وقف کر رہا ہے۔ اور آپ اس کے لئے اچھی ملازمت کی دعا کے لئے کہہ رہے ہیں۔

یہ شاید ۱۹۲۶ء کا سال تھا کہ حضور نے میرے والد صاحب کو نیروبی مشرقی افریقہ جانے کا ارشاد فرمایا کہ وہاں اپنی پریکٹس شروع کریں اور ساتھ ساتھ خدمت دین بھی کرتے رہیں۔ چنانچہ والد صاحب افریقہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ان کے ۴ بچے تھے۔ جن میں سے ایک لڑکی بہت چھوٹی سی عمر میں فوت ہو گئی۔ باقی بچوں دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو معہ اپنی بیوی کے چھوڑ کر افریقہ چلے گئے بعد میں ان کا ایک بیٹا بھی دس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اور میری والدہ اکیلی ہی یہ صدمات جھیلتی رہیں۔

نیروبی میں ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ انہی لوگوں میں پریکٹس ہونی تھی۔ لیکن وہاں پہنچ کر والد صاحب نے پریکٹس کا کام کم اور خدمت دین کا کام زیادہ زور شور سے شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پریکٹس جو شروع شروع میں کافی کامیاب ہو گئی تھی آہستہ آہستہ کم ہونی شروع ہو گئی۔ جتنی زیادہ خدمت دین کرتے۔ مخالفت بھی اتنی ہی زور سے ہوتی۔ مخالفین کے پاس جب دلیل کوئی نہ رہی تو انہوں نے پریکٹس کا بائیکاٹ کروا دیا۔ والد صاحب نے تمام حالات پر مشتمل تفصیلی خط حضور کی خدمت میں لکھا جس پر حضور نے فرمایا۔ اب آپ یوگنڈا چلے جائیں اور وہاں کام شروع کریں۔ لہذا وہاں نئے سرے سے پریکٹس شروع کی۔ جو اللہ کے فضل سے بڑی اچھی طرح چل نکلی۔ آہستہ آہستہ وہاں جماعت بھی قائم ہونی شروع ہوئی۔ یہاں پہنچنے کے ایک سال بعد میری والدہ اور بھائی بہن کو بھی قادیان سے بلا لیا۔

چند سالوں بعد نیروبی کے جنوب کی طرف ایک چھوٹے سے قصبہ مگاڈی میں آئی سی آئی کمپنی کے پرائیویٹ ہسپتال میں کام کرنے کا ایک اشتہار نظر سے گذرا حضور اقدس کی خدمت میں لکھا۔ حضور نے اجازت دے دی تو وہاں ملازمت شروع کی۔ اس وقت میرا شروع شروع کا بچپن تھا۔ مجھے یہی یاد ہے کہ گھر میں دینی ماحول تھا۔ دینی مخالفین سے اکثر بحث و مباحثہ کرتے رہتے۔ ایک بار انہوں نے والد صاحب کو قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب آمد و رفت بالکل کم تھی۔ والد صاحب ہسپتال کے دفتر میں بیٹھے کچھ کام کر رہے تھے۔ ایک شخص اندر آیا اور انہیں باتوں میں لگا کر باہر دو شخص اور کھڑے تھے۔ انہیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اندر آنے کا اشارہ کرنے ہی والا تھا۔ کہ اس پر والد صاحب کا کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ والد صاحب کے قدموں میں گر گیا۔ اور بڑی عاجزی سے معافی مانگتے ہوئے بتایا کہ وہ آج آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا۔ دو ساتھی باہر بھی کھڑے ہیں اس پر وہ دونوں باہر سے ہی بھاگ گئے۔ اندر والے شخص نے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ سے میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا

پانچ چھ سال والد صاحب مگاڈی میں مقیم رہے۔ پھر خرابی صحت کی بناء پر استعفےٰ دے کر قادیان آ گئے۔ لیکن وہاں ایک طرح سے جماعت کا اثر باقی رہا۔ یعنی اور احمدی احباب وقتاً فوقتاً وہاں ملازمت کے لئے جاتے رہے۔ اس طرح احمدیت کا نام مگاڈی میں قائم ہو گیا اور رفتہ رفتہ اتنے احمدی وہاں چلے گئے کہ جماعت قائم ہو گئی۔

قادیان آنے کے بعد ۱۹۳۷ء میں کراچی چلے گئے۔ لیکن کراچی میں پریکٹس کامیاب نہ ہو سکی۔ کراچی کی جماعت ان دنوں آج کل کی نسبت بہت چھوٹی تھی۔ حضور امام جماعت الثانی نے والد صاحب کو جماعت کراچی کا امیر مقرر فرمایا۔ چنانچہ والد صاحب نے بڑے جوش اور جذبہ سے وہاں کام شروع کیا۔ اور جلد ہی کراچی کی جماعت میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ اکثر جماعتی میٹنگیں ہمارے گھر پر ہوتیں جماعت کراچی کی تنظیم اور تعداد میں کافی بہتری کی صورت پیدا ہوئی۔ انہی دنوں حضرت امام جماعت الثانی کراچی تشریف لائے اور تین دن ہمارے غریب خانے کو اپنی بابرکت رہائش کا شرف بخشا۔ جماعت کسی کوٹھی کا انتظام رہائش کے لئے کر رہی تھی لیکن حضور نے منع فرما دیا اور فرمایا کہ ہم ڈاکٹر بدرالدین احمد کے گھر ہی ٹھہریں گے۔ حضور کے ساتھ حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحبہ اور حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہ مع بچوں کے تشریف لائی تھیں۔

۱۹۳۸ء میں جب دوبارہ مگاڈی سے ملازمت کی۔ آفر آئی تو ہم بہن بھائیوں اور والدہ صاحبہ کو قادیان چھوڑ کر دوبارہ مگاڈی چلے گئے۔ اس دوران دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ لہٰذا والد صاحب بھی ملازمت چھوڑ کر بطور کیپٹن ڈاکٹر انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ مصر اٹلی وغیرہ میں خدمات سر انجام دیتے رہے سات سال کے بعد واپس گھر قادیان آ گئے۔

۱۹۴۷ء کے شروع میں برٹش آرمی سے ریلیز ہو کر والدہ اور ہم دو بہنوں کو لے کر نارتھ بورنیو کے شہر JESSELTON میں اپنی میڈیکل پریکٹس کے ارادہ سے قادیان سے روانہ ہوئے۔ بورنیو ان دنوں برٹش کالونی میں شامل تھا۔ آزادی کے بعد اس کا نام SABAH MALAYSIA ہوا اور JESSELTON شہر کا نام KOTA KINABALU رکھا گیا۔ اس جزیرے کی آبادی زیادہ تر چینی۔ انڈونیشین ملائیشین اور مقامی قبیلہ DUSUNS پر مشتمل ہے۔ ساری تجارت چینیوں کے ہاتھ میں تھی۔ جن کی اکثریت عیسائی تھی۔ لیکن وہ دل سے بودھ مذہب کے پیروکار تھے۔ سکولوں میں ان کے بچوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا جاتا تھا۔ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ اس طرح ان کے نام چائنیز زبان میں ہونے کے عیسائی ناموں کے مطابق ہو جاتے تھے۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے عام بول چال میں آسان رہتے تھے باقی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ انڈونیشین اور ملائیشین مسلمان تھے۔ جن میں سے انڈونیشین پھر کچھ محنتی تھے لیکن ملائیشین بالکل ان پڑھ اور سست لوگ تھے۔ انگریز نے جہاں حکومت کی ہے وہاں پالیسی یہی رکھی کہ مسلمان کو کمزور اور سست بنا دیا اور جو دوسری قوم مسلمانوں کے مقابل ہوتی اسے تعلیم یافتہ اور طاقتور بناتے لیکن ڈچ لوگ اتنے برے نہیں تھے اس لئے انڈونیشین مسلمان پھر تعلیم یافتہ اور قدرے محنتی تھے یہاں بورنیو میں چائنیز محنتی لوگ تھے اور تجارت میں۔ سرکاری ملازمتوں میں۔ تعلیم میں۔ غرضیکہ ہر میدان میں آگے آگے تھے ربڑ کے بڑے بڑے جنگلات کی سٹیٹس کے مالک چینی تھے۔ اور ملائی مسلمان زیادہ تر مچھلیاں پکڑتے گاؤں میں رہتے اور چائنیز سرمایہ داروں کی ربڑ سٹیٹس میں درختوں سے ربڑ اتارنے کی مزدوری کرتے تھے۔

یہاں والد صاحب کی پریکٹس ایک فارماسسٹ کے ساتھ جو چینی تھا مشترکہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت چلی اور دور دور سے چائنیز لوگ علاج کے لئے آتے۔ والد صاحب کے ہاتھ میں اللہ نے شفا رکھی تھی۔ اس کے فضل سے لوگ بہت جلد صحتیاب ہو جاتے۔

JESSELTON میں جب اپنا گھر تعمیر کروایا تو اس میں خاص طور پر ایک کمرہ کافی بڑا بنوایا۔ اس میں مختلف مواقع پر چیدہ چیدہ لوگوں کو چائے وغیرہ پر مدعو کرتے رہتے اور مختلف تمدنی موضوعات پر دینی لیکچر دیتے۔ وہ بہت اچھے مقرر تھے ان کی زبان میں ایک خاص اثر تھا۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز لوگ بڑی خاموشی اور دلچسپی سے تقریر سنتے جو بعض اوقات گھنٹہ گھنٹہ دو دو گھنٹے کی ہوتی۔ بعد میں سوال و جواب کا موقع دیتے۔ لوگ بہت متاثر ہوتے۔

اسی دوران ان تقاریر کے علاوہ ایک رسالہ PEACE کے نام سے نکالا جس میں دنیا کو امن کے پیغام پر مشتمل احکامات اور دینی تعلیم شامل تھے۔ اس کے مضامین لکھائی۔ چھپوائی کا سارا کام اکیلے ہی کیا۔ رات گئے تک کام میں مصروف رہتے۔ جب رسالہ چھپ کر تیار ہو گیا۔ تو اسے گھر گھر پہنچانے کا انتظام اس طرح کیا کہ شہر کا ایک علاقہ ایک دن کے لئے مختص کر لیتے۔ روزانہ شام کو ہم بھی ان کے ساتھ کار میں روانہ ہوتے۔ اور ایک ایک دروازہ کھٹکھٹا کر رسالہ دیتے۔ بلکہ فروخت کرتے کہتے کہ یہ رسالہ لے لیں۔ اور اس کی قیمت دو ڈالر ادا کر دیں۔ لوگ دیکھتے کہ ڈاکٹر خود آیا ہے۔ بخوشی رسالہ لیتے اور قیمت ادا کر دیتے ہمیں کہتے کہ قیمت ادا کی ہوئی ہے اب تو ضرور پڑھیں گے۔ مفت چیز کی تو کوئی قدر نہیں ہوتی۔ ویسے ہی پھینک دیتے۔ کہتے کہ عیسائی لوگ جو ایک انسان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں۔ اس مذہب کی خاطر جس میں کوئی زندگی نہیں اتنی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنا لٹریچر نہ صرف ہر ایک کو دیتے ہیں بلکہ قیمتاً دیتے ہیں تو ہم جو زندہ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کے دین برحق کے لئے کیوں محنت نہیں کر سکتے۔

ہمارے بورنیو جانے سے قبل وہاں کوئی مربی نہیں تھا۔ جیسلٹن سے کافی دور ایک جزیرے میں جماعت کے کچھ لوگ تھے جو جنوبی ہند کے تھے۔ بڑے مخلص اور دین سے محبت رکھنے والے لوگ تھے بورنیو میں باقاعدہ مشن کا قیام ہمارے جانے کے بعد ہوا۔ چنانچہ جب مرکز سے یہاں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو والد صاحب نے اپنے گھر میں مربیان کی رہائش کے لئے ایک علیحدہ حصہ تعمیر کروایا۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل ایک زمین کا قطعہ خرید کر جو کہ مستقل لیز پر تھا وہاں پختہ مکان تعمیر کروایا۔ جوں جوں مقامی لوگوں میں جماعت قائم ہوتی شروع ہوئی دینی اجتماعات پر بڑی رونق ہو جاتی۔ ان کی وفات کے بعد وہ مکان جماعت کو دے دیا گیا جو اب تک جماعت کے قبضے میں ہے اور مقامی مربی کی رہائش گاہ اور مشن ہاؤس ہے۔

اسی دوران پتہ چلا کہ فلپائن کے کچھ علاقوں میں عوام الناس میں احمدیت سے متعلق دلچسپی پیدا ہو رہی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جماعت الثانی کے ارشاد کے مطابق والد صاحب فلپائن کے لئے روانہ ہو گئے اور پندرہ دن وہاں مقیم رہے۔ جگہ جگہ جلسے کروائے سوالات کے جوابات دیئے۔

ان پندرہ دنوں کی غیر حاضری سے ان کی پریکٹس پر کافی برا اثر پڑا۔ لیکن احمدیت کی خاطر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے اس سفر پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا اور حضور نے اپنی ایک تقریر میں والد صاحب کا نمایاں تعریفی الفاظ میں ذکر بھی فرمایا۔

۱۹۶۰ء کا سال تھا اور نومبر کی ۱۷ تاریخ تھی۔ جس دن چیک اپ کے لئے پہلی بار ہسپتال گئے۔ اس سے قبل سال بھر سے طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ بھوک بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اپنا علاج خود ہی کرتے رہے۔ کبھی باقاعدہ چیک اپ نہ کروایا۔ اس دن جو گئے تو ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد اسی وقت ہسپتال داخل ہونے کو کہا اور گھر جانے کی اجازت بھی نہ دی اور بتایا کہ آپ کو دل کا دورہ ہو رہا ہے اور دل آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ رہا ہے۔ اور یہ عمل گذشتہ قریباً آٹھ نو سال سے شروع ہے۔ اسی دوران شاید اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا تھا کہ ان کا آخری وقت قریب آ رہا ہے۔ دس پندرہ روز کے بعد جب ہسپتال سے گھر آئے تو بستر پر ہی تھے لیکن ہر وقت قادیان جانے کا کہتے۔ قادیان تو نہ جا سکے لیکن بستر پر لیٹے لیٹے ہی فونوں کے ذریعہ ربوہ جانے کے تمام انتظامات کر لئے۔ شروع جنوری ۱۹۶۱ء میں میری والدہ اور چھوٹی بہن امۃ الکریم راضیہ کے ساتھ پاکستان کے لئے روانہ ہو گئے۔

جانے سے قبل مجھے کافی تسلی دے کر گئے کہ فکر نہ کرو صحتیاب ہو کر واپس آ جاؤں گا۔ سنگاپور پہنچ کر دل کا مکمل چیک اپ وغیرہ کروایا۔ جس کے بعد وہ زیادہ وقت خاموش ہی رہتے۔ شاید دل کی اصل حالت کا علم ہو گیا ہو گا۔ طبیعت اتنی زیادہ خراب تھی کہ سارے راستے میں ہوائی جہاز میں آکسیجن لگی رہی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہی تھا کہ ایئر کمپنی والوں نے اتنے زیادہ تشویشناک حالت کے مریض کو جہاز میں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ اگرچہ جہاز نصف گھنٹہ لیٹ کیا اور اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سارے معائنے بھی کروائے۔ لیکن انہیں جانے سے نہ روکا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ جب ابھی بورنیو میں ہی تھے اور ہسپتال سے گھر آئے تھے تو حکومت کا کوئی انگریز بڑا افسر شدید بیمار ہو گیا۔ تو حکومت نے اسے واپس انگلستان پہنچانے کے لئے خاص جہاز کا انتظام کیا جو اسے واپس وطن لے کر گیا۔ یہ خبر اخباروں میں پڑھ

باقی ص۷ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ ڈان - مورخہ ۱۶- اکتوبر ۱۹۹۲ء کا ایک اداریہ

شناختی کارڈ ـ ایک غیر ضروری اقدام

قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کے اندراج کے اضافہ سے متعلق حکومت کے فیصلے کے بارے میں جو بات فوراً ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف غیر ضروری بلکہ انصاف کے بھی خلاف ہے۔ یہ فیصلہ بلاجواز ہے۔ کیونکہ شناختی کارڈ کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ اس کو رکھنے والے شخص کی مختلف سرکاری و غیر سرکاری امور کے سلسلے میں شناخت ہو سکے اور اسکے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں ہے کسی بھی شخص کے پاکستانی شہری ہونے کے لئے اسکے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ میں مذہب کا اندراج قطعاً متعلقہ امر نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستانی شہریت کے متعلق قانون میں پاکستانی شہری ہونے کے لئے نسل مذہب، جنس، زبان، اور اسی طرح کی کسی بھی خصوصیت کا ذکر نہیں ہے۔ جسکے متعلق کہا جا سکے کہ یہ ملک کے باقاعدہ شہری مانے جانے یا نہ مانے جانے کے لئے مستحق یا غیر مستحق بنانے کے لئے کوئی ضروری عنصر ہے۔ دوسری طرف غور طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی شناخت کے لئے مذہب کو بھی شامل کر لیا جائے۔ تو کیا یہ بات آئین میں دیئے گئے حقوق کو غصب کر لینے کے مترادف نہ ہو گی۔ ہر پاکستانی مرد اور عورت کا یہ حق ہے کہ اس کے حقوق۔ مواقع یا پاکستانی حکومت میں سروس کے سلسلے میں اس کے ساتھ کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔ خاص طور پر نسل، مذہب، ذات، جنس یا کسی علاقے میں رہائش یا پیدائش کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی تخصیص نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فیصلے کے نتیجہ میں مذہب کی بنیاد پر امتیاز اور ہراساں کرنے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ جائیں گے خاص طور پر آج کل کے ماحول میں جب کہ لسانی مذہبی اور فرقہ وارانہ تقسیم انتہا کو پہنچ چکی ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو ہم قائداعظم کے اس اعلان کی تضحیک کرنے والے ٹھہریں گے جس میں انہوں نے فرمایا کہ پاکستان میں ایک گروہ یا برادری سے دوسرے گروہ یا برادری کے مقابل پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ فرقوں میں کسی لحاظ سے بھی غیر مساوی برتاؤ روا نہیں رکھا جائے گا۔ کیونکہ حکومت کے کاروبار کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ اس معاملے میں پہلے ہی سے بے چینی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ایک مذہبی گروہ ایک دوسرے مذہبی فرقہ کے لوگوں کو حکومت کی نوکریوں سے ہٹانے کا مطالبہ کر رہا ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسی قسم کے سلوک کے لئے آئندہ کون سا دوسرا گروہ یا فرقہ ان لوگوں کا نشانہ بنے گا۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ابھی بھی بعض حکومتی کل پرزے کسی نہ کسی بہانے شہریوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں تو ایسی باتوں پر کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ شناختی کارڈ میں درج اس قسم کی اضافی اطلاعات کو کسی برے ارادے سے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یہ دلیل بھی بالکل بودی ہے کہ اس فیصلے سے جداگانہ انتخابات کے سسٹم میں مزید آسانی پیدا ہو گی۔ کیونکہ اب جب کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ نہیں ہے پھر بھی یہ سسٹم بغیر کسی خامی یا نقص کے ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے ویسے بھی دیکھا جائے تو شناختی کارڈ نے ہمارے الیکشن کے عمل میں دھاندلی اور گڑبڑ کے خلاف کوئی حفاظتی کردار ادا نہیں کیا ہے۔

یہ حیران کن بات ہے کہ آیا حکومت نے ان اضافی اخراجات کا بھی حساب لگایا ہے کہ نہیں جو کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج کرنے سے ملکی خزانہ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔ ملک کی تقریباً ۹۰ فیصد آبادی کو شناختی کارڈ جاری کئے جا چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فیصلہ کے تحت حکومت کو تقریباً ۸ کروڑ کارڈ دوبارہ جاری کرنے ہوں گے۔ ایک غیر سرکاری اندازے کے مطابق (جس کی ابھی تک تردید نہیں کی گئی ہے) اس سارے عمل پر تقریباً ۲۴۰۰ ملین یا دوسرے لفظوں میں ۲- ارب چالیس کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ جب کچھ دیر پہلے حکومت نے اس سسٹم کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا فیصلہ کیا تھا تو شناختی کارڈ تبدیل کرنے کا عمل شروع کر دیا گیا تھا۔ اور اس سال کے اختتام تک تقریباً ۱۸ لاکھ کارڈ جاری ہو جائیں گے۔ تو اب بنیادی سوال یہ ہے کہ ایک ایسے عمل پر اس قدر خطیر ملکی سرمایہ خرچ کرنے کا کیا جواز ہے۔ جسکی افادیت ہی مشکوک ہو۔ ابھی بھی وقت ہے کہ حکام بالا اس معاملے پر دوبارہ قومی نکتہ نظر سے غور کریں۔ اور اس غیر عقلمندانہ فیصلہ کو جو کہ دباؤ کے تحت کیا گیا ہے۔ واپس لیں۔

Identity Card: an unnecessary move

THE point that readily comes to mind about the government's decision henceforth to require a citizen's religion to be mentioned in his/her National Identity Card is that it is both unnecessary and unjust. It is unwarranted because an ID card's basic function is merely to establish the bearer's personal identity for various official and non-official purposes — and no more. Any mention of the bearer's religion either in the ID card or in the passport is not relevant to his/her being a Pakistani citizen because the law of citizenship does not prescribe any other characteristics — race, religion, sex, language and so on — as qualifying or disqualifying factors for purposes of being treated and recognised as a bona fide citizen of the country. On the other hand, the inclusion of religion as a mark of identification may be construed as impinging on a citizen's right as guaranteed in the constitution, and more particularly his/her right to be treated equally with other citizens and without any discrimination on the basis of race, religion, caste, sex, residence or place of birth in the matter of rights, opportunities or appointment in the service of Pakistan. Indeed, the decision opens the possibilities of discrimination and harassment on the basis of religion, particularly in an environment of heightened polarisation on ethnic, regional and sectarian lines. If that were to happen, it would be making a mockery of the categorical declaration of the founder of the nation that in Pakistan there would be "no discrimination, no distinction between one community and another, no discrimination between one caste and another" because "that has nothing to do with the business of the state." A feeling of disquiet on this score arises because a section of the religious lobby is already demanding the removal of one particular sect from state service and there is no knowing which other community or sect is targeted next for a similar treatment. Considering that some government functionaries are prone to harassing or mistreating citizens on one pretext or another claims that the additional information to be recorded on the Identity Card will not be utilised for questionable purposes will carry little credibility. The argument that the system of separate electorate will be facilitated by the decision, too, is unconvincing because it has been functioning quite well even when ID cards did not specify a voter's religion. In any case, the card has not proved to be any safeguard against rigging or manipulation of the electoral process.

One also wonders whether the government has taken into consideration the additional expenditure the decision relating to the religious identity of an ID card holder is going to involve for the national exchequer. About 90 per cent of the country's population has been issued with ID cards. This means that under the new decision the government will have to replace nearly eight crore cards. According to one unofficial estimate (not contradicted so far), the cost will come to about Rs 2,400 million. The process of replacing the cards had already started in some parts of the country when the government decided to computerise the system and some 1.8 million cards will have been issued by the end of the year. However that may be, the basic question is: is it wise to spend such a large amount of public money on something whose need and justification are questionable? There is time yet for the authorities to reconsider the matter objectively and from the broader national point of view and reverse the ill-advised decision they have taken under pressure.

شذرات

فرقہ واریت کا خاتمہ ہونا چاہیئے

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے کہا ہے کہ وہ عنقریب قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کریں گے جس کا مقصد فرقہ واریت کو روکنا ہو گا۔ تاکہ فرقہ واریت کا جو خطرہ ملک میں روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اسے ختم کیا جا سکے۔ یہ بات ایک پریس کانفرنس کے موقعہ پر فیصل آباد میں علامہ ساجد حسین نقوی نے بتائی۔ انہوں نے کہا کہ اس بل کے ذریعے غلیظ زبان دوسرے فرقوں کے متعلق استعمال کرنے پر پابندی لگائی جائے گی۔ اور دوسرے لوگوں کو کافر کہنے پر بھی پابندی عائد کی جائے گی۔ علامہ ساجد نقوی نے کہا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کوئی غیر جمہوری اقدامات نہیں کرنا چاہتی کیونکہ ایسا کرنے سے اس بات کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مارشل لاء کو دعوت دی جائے علامہ نقوی نے یہ بھی کہا کہ حکومت لوگوں کی جانیں اور جائیدادیں محفوظ رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ پی۔ ڈی۔ اے۔ کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہ آہستہ آہستہ لوگوں پر دباؤ ڈالیں گے اور ایسا وہ ملکی دستور کے دائرہ کے اندر رہ کر کریں گے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ داخل کیا گیا تو اس سے اختلافات کی آگ کو ہوا ملے گی۔ علامہ موصوف نے فرقہ وارانہ پارٹیوں پر پابندی لگانے کا بھی مطالبہ کیا۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

کر آہستہ سے کہنے لگے کہ اپنا آدمی تھا نا کس طرح اسے وطن پہنچانے کا انتظام کر دیا حکومت نے۔ لیکن بعد میں جب غیر معمولی حالات میں ان کے واپس وطن پہنچنے کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود کر دیا تو مجھے ان کی وہ بات بہت یاد آئی کہ اپنا آدمی تھا نا۔ کس طرح سپیشل جہاز میں اسے وطن پہنچایا۔" لیکن وہ تو خدا تعالیٰ کے اپنے بندے تھے۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح خود ان کے جانے کے انتظامات کر دیئے تاکہ وہ سکون سے ربوہ پہنچ سکیں۔ جہاں جانے کے لئے وہ بہت بے چین تھے۔ کراچی سے جب لاہور پہنچے تو حالت بہت خراب تھی۔ ان کے چھوٹے بھائی شیخ مبارک احمد صاحب جو انہیں لینے لاہور آئے ہوئے تھے نے انہیں البرٹ وکٹر وارڈ میو ہسپتال میں داخل کروا دیا۔ وہاں کچھ دن رہے لیکن بار بار کہتے ربوہ چلو۔ بھائی کہتے کہ ڈاکٹر چھٹی دے تو جائیں۔ لیکن ایک دن بھائی سے کہنے لگے کہ چھٹی کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ کار کا انتظام کریں۔ اور کل صبح ربوہ کے لئے روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اگلے دن اسی طرح کیا اور ربوہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں بہت سکون ہوا۔ حضور کی زیارت کے لئے بہت بے چین تھے۔ لیکن بیماری کی شدت کے باعث ملاقات کے لئے حاضر نہ ہو سکے۔ ان دنوں حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی خود بہت زیادہ بیمار تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ازراہ شفقت بیمار پرسی کے لئے تشریف لاتے رہے جس سے والد صاحب کو بہت فرحت اور خوشی محسوس ہوتی۔ ہمارے پیارے موجودہ امام حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی روزانہ تشریف لاتے اور ہومیوپیتھک علاج بھی فرماتے رہے۔ لیکن اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا تھا۔ وفات سے ایک روز قبل کسی نے آ کر خواب سنائی کہ میں نے دیکھا ہے کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر بدرالدین احمد کی اپیل منظور ہو گئی ہے اور سخت گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ یہ خواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور بار بار پوچھتے کہ کیا فقرہ تھا۔ پھر بتائیں۔ ایک دو دن کے بعد ۶۲ یا ۶۳ سال کی عمر میں اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

بیماری کے دنوں میں ان کے خاص دوست ملک غلام فرید صاحب انہیں ملنے لاہور ہسپتال میں آئے تو انہیں بتایا کہ جب بورنیو میں میری بیماری شدت اختیار کر گئی تو مجھے بہت تواتر سے یہ آوازیں آتی تھیں کہ جلدی کرو۔ جلدی کرو۔ اپنے بیوی بچوں کو لے کر ربوہ پہنچو۔ یہاں پردیس میں وہ کیا کریں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنی وفات کا علم ہو گیا تھا۔ اگلے دن کے الفضل میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے والد صاحب کی وفات سے متعلق الفضل میں خصوصی نوٹ دیا جس میں ذکر فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب نے بہت مبارک عمر پائی ہے۔

والد صاحب کے عادات و خصائل

وہ بہت گریہ و زاری سے عبادت کرنے والے تھے۔ زیادہ عمر ملک سے باہر ہی گذاری۔ جہاں بیت الذکر نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اپنے گھر میں ہمیشہ باجماعت عبادت کا التزام رکھا۔ اپنے بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی عبادت کی عادت ڈالی۔ اور ہمیشہ صبح کی عبادت کے لئے جگاتے میں ان کے ساتھ کھڑی ہو کر عبادت کرتی۔ وہ سجدوں میں ہمیشہ اتنی زاری کرتے جس کی آواز مجھے سنائی دیتی۔ جہاں جہاں رہے وہاں وہاں جماعتیں قائم ہوئیں۔ اور اب تک اس اس جگہ ان کا نام زندہ ہے۔ بورنیو میں جتنی جماعتیں قائم ہیں وہ سب احمدی آج تک والد صاحب کا نام بڑی عقیدت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کے حسن سلوک اور زندہ دلی کے گرویدہ ہیں۔

والد صاحب بہت خوش مزاج صاف اور سیدھی سادی عادت کے مالک تھے۔ ایچا پیچی والی بات کرنے کا ڈھنگ انہیں نہیں آتا تھا۔ کھانے کی میز پر خوش مزاجی سے باتیں کرتے۔ خود بھی بہت ہنستے ساتھ والوں کو بھی خوب ہنساتے۔ گھر میں علیحدہ کھانے کا رواج نہیں تھا۔ اگر انہیں کام کی وجہ سے قدرے دیر ہو جاتی تو ہم میں سے کسی کا کھانا کھانے کو دل نہ چاہتا۔ چاہے کتنی ہی بھوک کیوں نہ لگی ہو۔

مجھے یاد ہے شادی کے بعد میں اگر کسی وجہ سے پریشان ہوتی اور سوچتی کہ آج اباجان سے اس بارے میں تفصیلی گفتگو کروں گی لیکن جب ان کے پاس بیٹھتی تو وہ اتنی مزیدار مزیدار باتیں سناتے چٹکلے سنا سنا کر اتنا ہنساتے کہ میں اپنی پریشانی سرے سے ہی بھول جاتی جب ان کے پاس سے اٹھتی تو یاد ہی نہ رہتا کہ کونسی خاص بات کی وجہ سے آئی تھی۔ ہم بیٹیوں کو محسوس ہوتا کہ بیٹوں کی نسبت ہمیں زیادہ پیار کرتے ہیں۔

والد صاحب مالی لحاظ سے بھی نمایاں قربانی کرنے والوں میں سے تھے۔ لازمی چندوں کے علاوہ حضور کی طرف سے کی گئی۔ ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے خدا تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے والے۔ تنگی کے دنوں میں بھی اپنے چندوں کے معیار کو بگڑنے نہیں دیتے تھے۔ فراخی کے دنوں میں بورنیو مشن کے علاوہ سنگاپور مشن کے اخراجات کا ایک بڑا حصہ بھی ان کے چندوں سے پورا ہوتا تھا۔ دنیوی دولت جمع کرنے کی کوئی حرص نہ تھی۔ ایک دفعہ کسی گھریلو معاملہ کی وجہ سے پریشانی تھی اور گھر میں سب فکر مند تھے۔ ایک دن کھانے کی میز پر بھی یہی ذکر ہو رہا تھا۔ ہم سب اپنی اپنی فکرمندی کا اظہار کر رہے تھے۔ والد صاحب خلاف معمول خاموش بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا آپ نے کیا حل سوچا ہے۔ اس مسئلہ کا۔ کہنے لگے میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ فلپائن میں جماعت کی ترقی اور مضبوطی کے لئے کیا اقدام کرنے چاہئیں۔

انہوں نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اور ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی ساری اولاد بھی اللہ کی راہ میں وقف ہو۔ چنانچہ ان کی اولاد تین بیٹیوں اور دو بیٹوں میں سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا واقف زندگی ہے۔ بڑے بیٹے شیخ بشیر الدین احمد جنہوں نے حال ہی میں وفات پائی ہے۔ بچپن سے وقف تھے جامعہ احمدیہ سے مولوی فاضل اور شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد انہیں دنیوی اعلیٰ تعلیم بھی دلوائی۔ چنانچہ انہوں نے بی۔ ایس۔ سی کرنے کے بعد ڈبل ایم اے کیا اور جرنلزم میں بھی ڈگری لی۔ اس کے بعد حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی نے انہیں نائیجیریا میں مقرر فرمایا۔

بڑی بیٹی مکرمہ امۃ الرحیم عطیہ صاحبہ کی شادی حضور کے ارشاد پر صوفی مطیع الرحمان بنگالی مربی امریکہ سے کر دی۔ جو ان کے ہمعصر تھے۔ اور انہیں دنوں ایم اے کی تعلیم مکمل کی تھی اور ساتھ ہی احمدیہ ہوسٹل میں رہتے تھے اور کم و بیش خود ان کی عمر کے ہی تھے۔ چنانچہ میری بڑی ہمشیرہ کو ایک لمبا عرصہ اپنے شوہر محترم کے ساتھ رہ کر امریکہ میں خدمت دین کا موقعہ ملا۔

خاکسار کی شادی بھی مرزا محمد ادریس صاحب واقف زندگی سے کی۔ جن کے ساتھ خاکسار کو ایک لمبا عرصہ نارتھ بورنیو میں خدمت دین کی سعادت نصیب ہوئی۔

قدرت ثانیہ کے مظہر ثانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے عشق کی حد تک عقیدت تھی۔ حضور کے ہر ارشاد کو حکم تصور کرتے۔ ہر مشورہ پر عمل کرتے ہمیشہ باقاعدگی سے سارا حال حضور کو لکھتے اور دعا کے لئے عرض کرتے۔ جب بھی کوئی پریشانی آتی ہمیشہ حضور کی خدمت میں دعائیہ عریضہ بھجوا کر مطمئن ہو جاتے کہ امام جماعت کی دعا کی برکت سے اللہ فضل فرمائے گا۔ حضور سے والہانہ عقیدت کا ایک واقعہ درج ذیل ہے۔ حضور پر ۱۹۵۴ء میں ایک بدبخت نے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس کے بعد سن ستاون یا اٹھاون تھا کہ ایک دفعہ مرکز سے اطلاع آئی کہ حضور بہت تشویشناک حد تک بیمار ہیں خاص دعاؤں کی تحریک تھی۔ بہت مضطرب تھے اور دن رات دعاؤں میں لگے رہتے تھے۔ ایک روز ایک ٹیلیگرام موصول ہوا۔ دل تو ہر وقت حضور کی خیریت کی خبر کی طرف لگا رہتا تھا ٹیلیگرام سے دھڑکا سا لگا کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ لہذا اسے کھولنے سے قبل ہی اپنے کلینک میں معمول سے زائد عبادت کیلئے کھڑے ہو گئے۔ اور نہایت الحاح سے حضور کی صحت و زندگی کے لئے دعائیں مانگیں۔ اور خدا تعالیٰ سے عرض کی کہ کسی قسم کی بری خبر کو برداشت کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے اس کے بعد ٹیلیگرام کو الٹی طرف سے پڑھا۔ پتہ چلا کہ سیرالیون سے میرے بڑے بھائی کی تھی۔ اور اس میں ان کے اکلوتے بیٹے کی وفات کی خبر تھی۔ جو انہیں اللہ نے تین بیٹیوں کے بعد دیا تھا۔ بظاہر معمولی سی تکلیف تھی لیکن آناً فاناً فوت ہو گیا۔ گھر آ کر بتایا کہ میرے منہ سے بجائے (بسم اللہ ہی کہتے ہیں ...) نکلنے کے (سب تعریف اللہ کے لئے ہے) نکلا۔ اور مجھے محسوس ہوا کہ جیسے رد بلا کے لئے بکرے کی قربانی کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارا یہ نوعمر اکلوتا پوتا حضور پر قربان ہو گیا ہے اور بے اختیار (سب تعریف اللہ کے لئے) کہا کہ اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ حضور خیریت سے ہیں۔

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں والد صاحب کے لئے خاص دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے۔ ان کے درجات بلند سے بلند فرماتا رہے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کی اولاد میں سے خدمت دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والے پیدا ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خواہش کو پورا فرمائے۔ ان کی اولادوں کو فدائی احمدی بنائے رکھے۔ احمدیت کی نمایاں خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ اس طرح ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے والے ہوں اور ان کے درجات کی بلندی کا باعث بنتے رہیں

جس دوست کو کوئی گری پڑی چیز ملے وہ محترم صدر عمومی صاحب ربوہ کے دفتر میں پہنچا دیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خبریں

○ ربوہ: ۱۵ نومبر موسمی کیفیت اعتدال پر ہے۔

○ وزیر اعظم نے پی۔ڈی۔اے کے لانگ مارچ کے متعلق کہا ہے کہ بات کچھ بھی نہیں تمام قیاس آرائیاں اخبار والے کر رہے ہیں۔انہیں ملک وقوم کے بارے میں اپنی ذمہ داریاں محسوس کرنی چاہئیں۔انہوں نے کہا بعض اخبارات جلتی پر تیل ڈال رہے ہیں۔

○ ذمہ دار ذرائع کے مطابق صدر غلام اسحٰق خان اور وزیر اعظم پاکستان کے درمیان ہفتے کو اسلام آباد میں تفصیلی ملاقات ہوئی جس میں پی۔ڈی۔اے کے لانگ مارچ، سیاسی، سماجی اور آئینی پہلوؤں پر تبادلہ خیال ہوا۔

○ لانگ مارچ کے جائزہ کے لئے کور ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس میں راولپنڈی اور اسلام آباد کی سول انتظامیہ نے بھی حصہ لیا۔اس اجلاس میں امن و امان کی صورت حال خراب ہونے کی صورت میں اقدامات پر غور کیا گیا۔

○ وفاقی وزیر مذہبی امور نے ایک خصوصی انٹرویو میں کہا ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہبی خانے کا اندراج ہمارا داخلی مسئلہ ہے۔انہوں نے اقلیتوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان دشمنوں کا آلہ کار نہ بنیں۔

○ وزیر مملکت برائے اقلیتی امور پیٹر جان سہوترا نے کہا ہے کہ اگر عبدالستار نیازی کو کابینہ سے نہ نکالا گیا تو اقلیتی وزراء اور ارکان اسمبلی حکومت سے الگ ہو جائیں گے۔انہوں نے کہا کہ عبدالستار نیازی کے سوا تمام وزراء اس کے خلاف ہیں۔

○ عوامی نیشنل پارٹی نے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ شامل کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ چونکہ اے۔این۔پی سیکولر جماعت ہے لہٰذا اس فیصلے کو کسی صورت میں بھی نہیں مان سکتی۔

○ کشمیری حریت پسندوں کے ساتھ جھڑپوں میں ۲ بھارتی افسروں سمیت ۳۳ بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے۔

الجزائر کی اکثریت جماعت اور سرکاری فوج کے درمیان جھڑپوں میں ۳ مسلم بنیاد پرست ہلاک ہو گئے۔فوج اسلامک سالویشن فرنٹ کے خلاف ملک گیر کارروائی کر رہی ہے۔

○ ایک برطانوی دستاویزی فلم کے ذریعے انکشاف ہوا ہے کہ بھارت کے پاس ۶۰ ایٹمی ہتھیاروں کا ذخیرہ ہے۔

○ بوسنیا میں تین روز فائر بندی کے بعد پھر شدید لڑائی شروع ہو گئی ہے۔

○ وفاقی وزیر رانا چندر سنگھ نے مذہب کے خانہ کے خلاف احتجاجاً مستعفی ہونے کی دھمکی دے دی ہے۔

○ قومی اسمبلی کے سپیکر گوہر ایوب نے کہا ہے کہ جلسوں جلوسوں سے جمہوریت کو کوئی خطرہ نہیں۔

○ محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ اگر لوگوں کو اسلام آباد جانے سے روکا گیا تو یہ ہماری اخلاقی فتح ہو گی۔

○ اقوام متحدہ ۱۰ لاکھ عراقیوں کو ہنگامی بنیاد پر خوراک فراہم کرے گی۔

بقیہ: صہ ۳ سے آگے

کا مشورہ دیتی ہے۔اور حکومت ہند سے بھی استدعا کرتی ہے کہ وہ اس بارہ میں ریاست کو توجہ دلائے۔اسی طرح کمیٹی سیکرٹری کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ دو ماہ بعد ایک اجلاس کشمیر کمیٹی کا اس امر پر غور کرنے کے لئے طلب کرے کہ اس دوران میں ریاست کے حکام نے کیا کچھ کام کیا ہے اور اگر کوئی تبدیلی نظر نہ آئے۔ تو ایک ”آل انڈیا کشمیر ڈے“ کے ذریعہ تمام ہندوستان کے سامنے کشمیر کے حالات رکھ کر مسلمانوں سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لئے ایک دفعہ پھر متفقہ آواز اٹھائیں۔اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کہ اس ظلم کا خاتمہ نہ ہو جائے۔“

یتیم

شیزان

پاکستان میں
تازہ پھلوں کی مصنوعات
بنانے والا
سب سے بڑا ادارہ

Shezan International Ltd., Lahore-Karachi.

adcom 111-89